تواتر اور اس کی استدلالی حیثیت

اصغر علی خان*

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی حفاظت فرمائی جس کا نتیجہ ہے کہ دین اسلام اپنی کامل شکل میں محفوظ و موجود ہے۔ دین حق، اسلام، کا ثبوت جن طرق سے ہوا ہے ان میں سب سے قوی ذریعہ ''تواتر'' ہے۔ قرآن، عقائد اسلامیہ اور ضروریاتِ دین ایک نسل سے دوسری نسل کو متواتراً نقل و سپرد ہوئے ہیں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ تواتر و آحاد کی بحث ان لوگوں کے اعتبار سے ہے جن کے پاس یہ دین نقل ہو کر پہنچا ہے۔ حضرات صحابہؓ جنہوں نے دین کو براہِ راست آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا ان کے لیے ہر چیز قطعی تھی۔ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ جو حدیث و خبر حضرات صحابہؓ نے براہِ راست مشکوٰۃِ نبوت سے نہیں لی بلکہ کسی اپنے ساتھی صحابیؓ کے توسط سے لی ہے اس کی قطعیت اور براہ راست حاصل ہونے والی قطعیت کے مابین کیفیت کا فرق محتاج بیان نہیں۔

تواتر کی ماہیت، شرائط، تحقق اور حکم پر گفتگو آئندہ آئے گی۔ البتہ تواتر کی اہمیت یہ ہے کہ قرآن مجید کی اصطلاحی تعریف میں بھی جو کہ عامۃ الاصولین میں معروف ہے ''نقلاً متواتراً'' کی قید لگائی گئی ہے یعنی ثبوتِ قرآن کے لیے تواتر ضروری ہے ایسے ہی خبر متواتر کو قرآن کی طرح ''قطعی الثبوت'' ہونے کا شرف حاصل ہے کیونکہ صفتِ تواتر میں دونوں شریک ہیں۔ اس لیے دلیل کی قطعیت وظنیت میں اور پھر اسی کے نتیجے پیدا ہونے والے میں حکم شرعی کی قانونی حیثیت میں تواتر کا کردار واضح انداز میں سامنے آتا ہے۔

تواتر کی اسی اہمیت کے پیش نظر اور ثبوت دین میں تواتر کی اہمیت کو بنیاد بنا کر دوسرے طرق ثبوت جو کہ احکام وفروع کے ایک بہت بڑے حصے پر جامع اور مشتمل ہیں کو مشکوک اور نا قابل اعتبار بنانے کی مہم کے پیش نظر اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ ''تواتر'' کی صحیح حقیقت اور ثبوت دین میں اس کے صحیح مقام کا تعین دلائل کی روشنی میں کیا جائے تا کہ الفاظ قرآنی کو ان کی الٰہی مرادات جو کہ حدیث کے ایک بڑے ذخیرہ پر مشتمل ہیں ان سے مجرد کر کے اپنی مرضی کے معانی و مفاہیم پہنانے کی غرض سے ''تواتر'' کو اس کے اصل مقام سے ہٹا دینے والوں کے مغالطات اور اشتباہات کی نشاندہی بھی کی جائے اور ان کا محاکمہ بھی ہو جائے۔

اس مضمون میں دلائل و براہین کے ہمقدم ''تواتر'' کو مذکورہ ضروریات کے پیش نظر جامعیت کے ساتھ دیکھا گیا ہے کہ تواتر ہے کیا؟ اور اس کا ذرائع علم اور ثبوت دین کے طرق میں صحیح محل کیا ہے؟ اس کی صورتیں اور اقسام کون سی ہیں؟ اور تواتر کا تحقق کن شرائط پر موقوف ہے؟ اور اس میں کہاں مغالطات دیئے جاتے ہیں؟ اور آیا تواتر کا وقوع بھی ہے یا محض ایک

*اسسٹنٹ پروفیسر، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، میر پور یونیورسٹی آف سائنس اور ٹیکنالوجی، میر پور آزاد کشمیر، پاکستان

اصطلاح علمی ہے؟

''تواتر'' لغت عرب میں:

یہ ''وتر'' سے مشتق ہے جو طاق اور فرد کے معنی میں مستعمل ہے پھر باب تفاعل کے مصدر میں جا کر یہ ''واحد بعد واحد'' کی حقیقت میں مستعمل ہوا ہے۔ یعنی جب ایک چیز کے بعد دوسری چیز آئے تو تواتر ہے لیکن پہلی کی موجودگی میں اگر دوسری چیز آجائے تو لغت عرب میں اس کو تواتر نہیں بلکہ تتابع اور تدارک کہتے ہیں۔

ابن منظور کہتے ہیں:

"المتواتر الشئی یکون هنیهة ثم یجئی الآخر فاذا تتابعت فلیست المتواترة انما هی المتدارکة والمتتابعة" (۱)

"واترت الخبر أتبعت وبین الخبرین هنیهة." (۲)

معلوم ہوا کہ لغت میں تواتر وحدت کے پے در پے ہونے کا نام ہے۔ صاحب النبراس علامہ عبدالعزیز پرہاڑوی (م-۱۲۳۹ھ) کہتے ہیں کہ

"مشتق من الوتر وأصله فی اللغة أن یجئی واحد بعد واحد ثم جرد عن معنی الوحدة واستعمل فی التتابع والتوالی "(۳)

یعنی اصلی لغوی معنی تو وہی ہے جو ابن المنظور اور اصمعی کے حوالہ سے نقل کیا گیا لیکن علامہ پرہاڑوی کہتے ہیں کہ تواتر وحدت کے معنی سے مجرد ہو کر تتابع اور توالی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

تواتر کی اصطلاحی تعریف:

کتب اصول فقہ اور کتب مصطلح الحدیث میں کی جانے والی تعریف ''خبر متواتر'' کی ہوتی ہے تواتر کی نہیں۔

تواتر کی تعریف یہ ہے علامہ ابوالحسن آمدی فرماتے ہیں:

"انما التواتر فی اصطلاح المتشرعة عبارة عن تتابع الخبر عن جماعة مفید للعلم بمخبره "(۴)

یعنی اصطلاح میں تواتر ایک جماعت کا کسی خبر پر ایسا اجتماع ہے جو اپنے مخبر کی وجہ سے ہی مفید علم ہو اور یہ اجتماع بالتتابع ہو۔

خبر متواتر کی تعریف:

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

"فانه عبارة عن الخبر الذی ینقله من یحصل العلم بصدقه ضرورة ولا بد فی اسناده من

استمرار هذا الشرط فی روایته من أوله الیٰ منتهاه." (۵)

یعنی خبر متواتر وہ خبر ہے جس کے نقل کرنے والے اتنی تعداد میں ہوں کہ جن کے بدیہی صدق کی وجہ سے ان کی خبر مفید علم ہو اور اس خبر کی اسناد میں ناقلین کی مطلوبہ تعداد کا ہونا اول تا آخر شرط ہے۔

اسی کے قریب علامہ سیوطی کی تعریف ہے۔

"وهو مانقله من یحصل العلم بصدقهم ضرورة عن مثلهم من أوله الی آخره." (٦)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

"وهوالخبر الثابت علی ألسنة قوم لایتصور تواطعهم علی الکذب" (۷)

خبر کے متواتر ہونے کا مدار افادہ علم پر ہے راویوں کی مخصوص تعداد پر نہیں:

بعض محدثین اور اصولیین نے خبر متواتر میں تحقق کے لیے راویوں کی مخصوص تعداد کو معیار بنایا ہے اس سلسلے میں چار سے لے کر ستر تک بیس کے قریب اقوال ہیں جن کو علامہ سیوطی نے تدریب میں اور شوکانی نے ارشاد الفحول میں جمع کیا ہے۔(۸)

اور ان محدود اوراق میں ان کا تذکرہ باعث تطویل بے جا ہے کیونکہ ان اقوال کو اہل علم نے قابل اعتناء قرار نہیں دیا۔ مختار مذہب یہ ہے کہ تواتر کے تحقق کے لیے علم یقین کا حاصل ہو جانا شرط ہے راویوں کی مخصوص تعداد نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ فرماتے ہیں:

"فان العدد المعین لایشرط فی المتواتر بل ما افاد العلم کفیٰ والصفات العلیة فی الرواة تقوم مقام العدد أوتزید علیه" (۹)

یعنی متواتر میں عدد معین کوئی شرط نہیں بلکہ جو مفید علم ہو وہ کافی ہے اور راویوں کا عالی صفت کا حامل ہونا عدد کا قائم مقام بن جاتا ہے بلکہ عدد سے بڑھ جاتا ہے۔

علامہ نووی کہتے ہیں:

"المختار الذی علیه المحققون والا کثرون أن ذلک لایضبط بعدد مخصوص" (۱۰)

یعنی مذہب مختار جو کہ محققین اور جمہور کا مختار ہے وہ یہ ہے کہ تواتر کے لیے عدد مخصوص ضروری نہیں۔

اسی نکتہ کی بناء پر بعض اهل علم تو اس بات کے بھی قائل ہو گئے کہ اگر ایک ہی شخص کی خبر بھی صادق اور مفید یقین و علم ہو تو وہ بھی متواتر ہے۔ چنانچہ علامہ آمدی لکھتے ہیں:

" وأما المتواتر فقد قال بعض أصحابنا ایضاً انه الخبر المفیدللعلم الیقینی بمخبره وهو غیر

مانع لدخول خبر الواحد الصادق فيه" (۱۱)

لیکن بہر حال یہ بات بھی افراط وتفریط کے قبیل سے ہے اس لئے چند سطور کے بعد علامہ آمدی لکھتے ہیں کہ

"والحق أن المتواتر في اصطلاح المتشرعة عبارة عن خبر جماعة الى آخره" (۱۲)

تحققِ تواتر کی شرائط:

حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبۃ الفکر میں اس کی چار شرائط ذکر کی ہیں۔

۱۔ رواۃ کثیر ہوں۔

۲۔ ان کی کثرت اس بات پر دال ہو کہ عادۃً اتنے لوگوں کا اتفاق علی الکذب محال ہے۔

۳۔ یہ کثرت ابتداء تا انتہاء باقی ہو۔

۴۔ جو بات نقل کر رہے ہیں وہ کوئی امر حسی ہو عقلی نہ ہو۔

اور بطور تتمہ کے ایک پانچویں شرط بھی ذکر فرمائی کہ وہ خبر سامع کے لئے مفید علم بھی ہو۔۱۳

علامہ شوکانی نے خبر متواتر کے تحقق کے لیے کچھ شرائط رواۃ کے لیے اور کچھ شرائط سامعین کے لیے مقرر فرمائی ہیں۔ رواۃ کے لیے چار شرائط ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ جو بات نقل کر رہے ہیں اس کے عالم ہوں ظن سے نقل ہونے والی بات متواتر نہیں بن سکتی۔

۲۔ اس بات کو وہ مشاہدہ یا سماع کے ذریعہ بدیہی طور پر جان لیں وگرنہ دخولِ غلط کا احتمال رہے گا اور اسی شرط میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مشاہدہ یا سماع حس کی غلطی پر مبنی نہ ہو۔

۳۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو جن کا عادتاً اتفاق علی الکذب محال ہو۔

۴۔ یہ تعداد مستمر ہو یعنی ہر طبقہ میں موجود ہو۔

وہ شرائط جو سامعین سے متعلق ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ سامعین عقلاء ہوں کیونکہ بلا عقل حصول علم محال ہے۔

۲۔ خبر کے مدلول کو جانتے ہوں۔

۳۔ اس خبر کے مخالف اعتقاد سے مجرد ہوں۔ (۱۴)

علامہ آمدی نے بھی یہ شروط ذکر کی ہیں۔ (۱۵)

رواۃ کا اسلام اور عدالت شرط ہے یا نہیں:

عقل تو رواۃ کی کثرت اور ان عظیم شرائط کی وجہ سے اسی بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ تواتر کے رواۃ میں یہ دونوں

باتیں شرط نہ ہوں چنانچہ علامہ نوویؒ نے یہی مذہب نقل کیا ہے اور مختار قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"ولا یشترط فی المخبرین الاسلام ولا العدالة وفیه مذاهب اخری ضعیفه" (۱۶)

یعنی خبر متواتر کے رواۃ میں اسلام و عدالت شرط نہیں اور اس مسئلے میں کچھ اور ضعیف مذاہب بھی ہیں۔

عدالت میں تو یہ بات صحیح ہے لیکن جب خبر کسی دینی معاملے میں ہو تو پھر راویوں کا مسلمان ہونا شرط ہونا چاہیے کیونکہ کفار پر دین کے معاملے میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

اسی بات کی تائید اس حوالہ سے ہوتی ہے۔

"ولا یشترط عدالتهم ویشترط اسلامهم علی المعتمد" (۱۷)

یعنی ان کی عدالت تو شرط نہیں لیکن معتمد قول کے مطابق اسلام شرط ہے۔

خبر متواتر مفید علم ہے:

شرح العقائد میں ہے کہ "ومصداقه وقوع العلم من غیر مشبهة" یعنی متواتر بلاشبہ مفید علم ہے کیونکہ علم کے تین معتبر ذرائع ہیں۔

۱۔ عقل ۲۔ حواس ۳۔ خبر صادق

خبر صادق یا تو خبر رسول ہوتی ہے یا خبر متواتر یا خبر رسول میں ہی تواتر متحقق ہوتا ہے۔ بہرصورت خبر متواتر مفید علم یعنی مفید یقین ہے۔

تواتر کی قسمیں:

تواتر کی ابتداءً دو قسمیں ہیں جن کو علامہ علاؤالدین کاسانی نے بدائع الصنائع میں بیان کیا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک قسم تو **تواتر من حیث الروایۃ** ہے۔ یعنی اس کو روایت کرنے والی ہر زمانے میں ایسی جماعت ہو جن کا جھوٹ پر اجتماع محال ہو۔ اور تواتر کی دوسری قسم اس پر عمل کے اعتبار سے ہے کہ اس پر قرن بقرن بغیر کسی نکیر کے تواتر سے عمل ہو رہا ہے اور اسی عمل نے ان کو روایت سے مستغنی کر دیا۔

علامہ کاسانی کہتے ہیں کہ دونوں اقسام کی متواتر اخبار سے کتاب اللہ کا نسخ جائز ہے اور دونوں قطعی طور پر واجب العمل ہیں۔ البتہ حکم میں اتنا فرق ہو جائے گا کہ متواتر اسنادی کا منکر کافر ہوگا اور متواتر عملی کے منکر کو ایک درجہ کے شبہ کی وجہ سے کافر نہیں کہا جائے گا۔ ۱۸

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی تواتر کی دو قسمیں بیان کی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

"قسم أهل الأصول المتواتر الی الفظی وهوماتواتر لفظه ومعنوی وهو أ ن ینقل جماعة

یستحیل تواطؤھم علی الکذب وقائع مختلفه تشترک فی امر یتواتر ذلک القدر المشترک" (۱۹)

یعنی اصولیین نے متواتر کو دو قسموں پر منقسم کیا ہے۔

۱۔ لفظی یعنی جس کے الفاظ متواتر ہوں۔

۲۔ ایک ایسی جماعت جس کا کثرت کی وجہ سے جھوٹ پر اجتماع عادۃً محال ہو وہ مختلف واقعات نقل کرتی ہے جو ایک خاص نکتہ میں مشترک ہیں تو اس قدر مشترک کو متواتر کہیں گے اسی کا دوسرا نام متواتر معنوی ہے۔اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی نقل کرتا ہے کہ حاتم نے فلاں کو گھوڑا دیا دوسرا نقل کرتا ہے۔کہ فلاں کو سونا دیا تیسرا نقل کرتا ہے کہ فلاں کو دراہم دیئے ایسے ہی اس کی سخاوت کے مختلف واقعات نقل کرتے ہیں جن میں سخاوت قدر مشترک ہے تو سخاوتِ حاتم متواتر ہوگی۔

علامہ انور شاہ کشمیری صاحبؒ نے انہیں مختلف بکھری ہوئی قسموں کو یکجا اور مرتب کر کے فرمایا کہ تواتر کی چار قسمیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱) **تواتر من حیث الاسناد**:۔یعنی سندیں متواتر ہوں اس کی مثال "من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار" والی روایت ہے۔اس کی گفتگو عنقریب آرہی ہے۔

۲) **تواتر من حیث الطبقة**: یعنی پورا طبقہ پورے طبقے سے نقل کرے اس کی مثال قرآن کا تواتر ہے کہ شرقاً غرباً پوری امت کا ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے نقل کرتا ہے اور اگلی نسل کو پہنچا دیتا ہے۔تواتر کی یہ قسم سند کی محتاج نہیں۔

۳) **تواتر عمل وتوارث**:۔یعنی صاحب شریعت سے لیکر آج تک تواتر سے اس پر عمل ہو رہا ہو جیسے ظہر وعصر کی چار رکعتیں اسی تواتر سے ثابت ہیں۔

۴) **تواتر القدر المشترک**:۔جیسا کہ حاتم کی سخاوت ہے۔ایسے ہی معجزات بھی اگر چہ خبر واحد کے قبیل سے ہیں لیکن معجزہ کا ظہور وصدور ایسا نکتہ ہے جس میں تمام روایات مشترک ہیں اس لئے معجزات قدر مشترک کے اعتبار سے متواتر ہیں۔۲۰

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی فتح الملہم کے مقدمے میں شاہ صاحب کے حوالے سے تواتر کی یہی اقسام نقل کی ہیں۔(۲۱)

"تواتر" علم بدیہی کا فائدہ دیتا ہے:

اس بات میں زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں کہ متواتر سے حاصل ہونے والا علم بدیہی ہوتا ہے اور نظری نہیں ہوتا کیونکہ اگر نظری ہوتو بچے جن میں نظر وفکر کی استعداد بھی نہیں ہوتی خبر متواتر ان کے لئے مفید علم نہ ہوتی حالانکہ نفس الامر میں بات اس کے خلاف ہے مثلاً جنہوں نے مکہ نہیں دیکھا مکہ کا وجود ان کے لئے خبر متواتر سے ثابت ہے اور مکہ کا وجود بچوں کے علم میں بھی ہے۔۲۲

قتل عیسیٰؑ کی خبر نصاریٰ میں متواتر ہے تو یہ بھی مفید علم ہوگی؟

قتل عیسیٰؑ کی خبر اگر چہ بعد کے زمانوں میں نصاریٰ میں شائع ذائع ہوگئی ہے لیکن اس کے ابتداء میں تواتر موجود نہیں کہ صرف وہ پانچ افراد جو گھر میں داخل ہوئے وہ اس کے راوی ہیں اور پانچ کی یہ تعداد تواتر کے لیے قطعاً مفید نہیں ہے۔(۲۳)

علامہ شوکانی نے تحقق تواتر کے لئے جو شرائط ذکر فرمائی تھیں ان میں سے دوسری شرط کا تتمہ یہ ہے کہ وہ مشاہدہ حس کی غلطی پر مبنی نہ ہو اور یہاں یہ شرط مفقود ہے کہ حضرت عیسیٰؑ تو آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے اور ان کی تشبیہ کی زد میں آنے والا قاتل مقتول ہو گیا تو حاسہ بصر نے غلطی کی اور حضرت عیسیٰؑ کو مقتول سمجھا تو جب تحقق تواتر کی ایک شرط پائی گئی تو مشروط بھی مفقود ہوگا لہذا النصاریٰ کا دعوائے تواتر درست نہیں۔

تابیدِ دین موسیٰ کی روایت کا تواتر بھی درست نہیں:

یہود اپنے زعم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا "**تمسکو بالسبت مادامت السمٰوٰت والارض**" یعنی جب تک زمین و آسمان کا نظام قائم ہے تم ہفتہ کے دن کو پکڑ رکھو۔ یہ روایت یہود میں متواتر ہے تو متواتر اگر مفید علم ہے تو اس کا کیا جواب ہے؟ جب کہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ ہماری شریعت سابقہ تمام شرائع کی ناسخ ہے۔

علامہ عبدالعزیز پرھاڑوی نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔

۱) مشہور بادشاہ بخت نصر جو ایرانی مجوسی تھا اس نے یہود کو اس طور پر قتل کر دیا تھا کہ ان میں تواتر کا عدد باقی ہی نہیں رہا تھا۔

۲) یہ متواتر نہیں ہے بلکہ ابن راوندی زندیق متکلم کی اختراع ہے جو اس نے یہود کے درمیان رائج کی تا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف اس کے ذریعے احتجاج کر سکیں۔

پھر اہم بات یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے علم کا مرکز بائبل ہے جس کا اپنا ثبوت محتاج دلیل ہے وہ کسی اور کی دلیل کیسے بن سکتی ہیں۔

تواتر کا حکم:

" **المتواتر یوجب العلم القطعی ویکون رده کفراً**" (۲۴)

یعنی متواتر علم قطعی کا موجب ہے اور اس کا رد اور انکار کفر ہے۔

متواتر کے اس حکم پر فقہاء و اصولیین کا اجماع ہے کسی کا اختلاف نہیں جب کہ اس سلسلے میں ماقبل میں علامہ شامی کا قول ذکر ہوا ہے۔

وہ اخبار جو حکماً متواتر سے ملحق ہیں:

(۱) خبر مشہور جو عہد صحابہ میں تو متواتر نہیں لیکن بعد میں تواتر کی شرائط کو پہنچ جاتی ہے اور امت اس کو تلقی بالقبول بھی دیتی ہے تو یہ بھی متواتر کی طرح ہے یعنی قطعی طور پر واجب العمل ہے۔ ۲۵

(۲) **وخبرا لواحد اذا تلقته الأمة بالقبول عملاً به وتصديقا له يفيد العلم اليقيني عند جماهير الامة وهو احد قسمي المتواتر ولم يكن بين سلف الأمة في ذلک نزاع كخبر عمر بن الخطاب ،انما الاعمال بالنيات** . ۲۶

یعنی خبر واحد کو جب امت کا تلقی بالقبول مل جائے اور وہ معمول بہ بن جائے تو جمہور امت کے نزدیک یہ علم یقین کا فائدہ دیتی ہے اور متواتر کی ایک قسم بن جاتی ہے اور اسلاف میں اس بات میں کوئی نزاع موجود نہیں تھا جیسا کہ حضرت عمرؓ کی خبر" انما الاعمال بالنیات " ہے۔

تواتر کا وقوع:

تواتر اپنی تمام تر شرائط اور پابندیوں کے باوجود محض ایک علمی اصطلاح کا نام نہیں ہے بلکہ اس کی تمام قسمیں وقوع پذیر ہیں۔ تواتر کی باقی اقسام میں تو کوئی بات محل اشکال وتوضیح نہیں کہ ان کا تحقق بکثرت موجود ہے البتہ "تواتر اسنادی" پر گفتگو کی گنجائش ہے کہ حافظ ابن الصلاح (۲۷) نے اپنے مقدمہ میں صرف ایک حدیث کو متواتر کہا ہے اور وہ بھی یہ کہا ہے کہ اس حدیث کے بارے میں تواتر کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے شرح نخبہ (۲۸) میں اور علامہ سیوطی نے تدریب میں اس کا تعقب کیا ہے اور علامہ سیوطی نے تدریب میں اس سلسلے میں اپنی کاوشوں کا تذکرکیا ہے۔

متواتر اسنادی کا وجود اتنا نادر نہیں ہے جتنا ابن الصلاح کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے اکابر نے اس سلسلے میں متواتر اسنادی روایات کو جمع کیا اور مستقل کتابیں تصنیف کیں ان میں سے چند کتابیں بطور نمونہ ذکر کی جاتی ہیں۔

۱) **جزء فيه طرق حديث "من كذب على "** امام ابو قاسم طبرانی کی تصنیف ہے جو ڈاکٹر محمد بن حسن الغماری کی تحقیق کے ساتھ دار البشائر الاسلامیہ، بیروت سے طبع بھی ہوگئی ہے۔

۲) **نظم المتناثر من حديث المتواتر** ، شیخ محمد بن جعفر کتانی کی تالیف ہے اور مطبوعہ ہے اس میں ابواب فقہیہ کی ترتیب سے روایات متواترہ کو لایا گیا ہے۔

۳) **الأزهار المتناثره في الأخبار المتواترة**، علامہ جلال الدین سیوطی کی تصنیف ہے۔

۴) **قطف الأزهار**۔ علامہ سیوطی نے خود "**الأزهار المتناثره في الأخبار المتواترة**" کی تلخیص کی ہے۔

بہر حال ثابت ہوا کہ خبر متواتر کے عدم وجود کا دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے تواتر اسنادی کے ماسوا دوسری اقسام میں تو گفتگو کی بھی گنجائش نہیں تواتر اسنادی میں بھی کثرت سے احادیث موجود ہیں۔

تواتر کے وقوع اور تحقق کے لئے ساری امت کا علم ضروری ہے:

یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ متواتر تو وہ ہوتی ہے جس کا ساری امت کو علم ہو یا اس کو نقل کرنے والے شمار میں نہ آسکیں تو اس کا اجمالی رد تو ماقبل میں پیش کیا جاچکا کہ تواتر کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کے ناقلین کی تعداد شمار سے باہر ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ اتنی تعداد ہو جن کا اجماع علی الکذب محال ہو۔

رہی بات ساری امت کے علم کی تو یہ بھی ایک مغالطہ ہے جس کا تواتر کی حقیقت میں کوئی دخل نہیں۔ چنانچہ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ

"وليس من شرط التواتر أن يصل الى الأمة فعند ا القراء أشياء متواترة دون غير هم وعند الفقهاء مسائل متواتر ة عن ائمتهم لايدريها القراء "(۲۹)

یعنی یہ بات تواتر کی شرط نہیں ہے کہ ساری امت تک پہنچ جائے پس قراء کے حلقے میں جو متواترات ہیں وہ دوسرے حلقوں میں نہیں ہیں ایسے ہی فقہاء کے نزدیک جو مسائل متواتر ہیں قراء ان کو جانتے تک بھی نہیں۔

تواتر کو قبول دین کا معیار بنانا درست نہیں:

دین کے اصول اور ضروریات کے لئے تو بلاشبہ تواتر ضروری ہے لیکن فروعات وجزئیات جن سے ہر وقت ہمیں واسطہ ہے وہ تو تواتر سے منقول نہیں ہیں۔ پھر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ بھی اگر تواتر کے معیار سے لیا جائے تو چند واقعات کے سوا کوئی چیز متواتراً منقول نہیں۔

حتّٰی کہ خود قرآن بھی ہر لحاظ سے متواتر نہیں قرآن کی جن آیات واحکام میں الفاظ کی دلالت معانی پر ظنی ہے ان کی تعیین کیونکر ممکن ہوگی۔ اس لئے کہ ثبوت کے اعتبار سے تو قرآن قطعی ہے لیکن جن آیات کے معانی میں خود عہد صحابہؓ میں اختلاف ہوا وہ ظنی الدلالۃ ہیں کیا معاذ اللہ وہ بھی مفید علم نہ ہوں گی۔

پھر قرآن کے متواتر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے الفاظ طبقہ عن طبقہ سنے گئے اور محفوظ کئے گئے اس لحاظ سے تو سارا قرآن متواتر ہے لیکن قرآن کی عقلیات اور غیر حسی چیزیں تو ظاہر ہے کہ متواتر نہیں کہلا سکتیں کیونکہ متواتر کوئی حسی چیز ہوتی ہے تو کیا ان آیات کو بھی مفید علم نہ سمجھا جائے گا؟

اس لئے احوط اور قرین صواب یہی ہے کہ اخبار مشہور اور آحاد جو قرآئن کے ساتھ اور خارجی شواہد کے ساتھ مفید علم ہوتے ہیں ان کو بھی قبول کیا جائے۔

کیونکہ اگر مراد و مقصود مفید علم ہونا ہے تو بعض اوقات تو متواتر بھی مفید ظن ہوتی ہے مثلاً قرآن اگر چہ حرف بحرف متواتر ہے لیکن اس سے مستنبط مسائل کو کوئی متواتر نہیں کہہ سکتا۔

ایسے ہی کسی مسئلہ میں نحاۃ اور لغویوں کو اختلاف بھی کلام مفید للعلم پر اثر انداز ہوتا ہے تو اگر ظن بالکل مردود ہے تو ان ظنی احکامات کے بارے میں یہی فیصلہ کرنا پڑے گا جو کتاب اللہ سے ثابت ہوئے ہیں۔ بہرحال صحیح راستہ یہی ہے کہ اصول دین قطعی ہونا چاہئیں فروع ظنی بھی ہو سکتی ہیں۔ (۳۰)

سنت ابراہیمی کے تواتر کا ثبوت:

امت محمدیہ کو ملت ابراہیم کہا گیا وہ اعمال جو حضرت ابراہیمؑ نے جاری کئے وہ اس امت میں بھی موجود ہیں لیکن آیا وہ تواتر سے ثابت ہیں؟ ان میں سے جن احکام کو مثلاً نماز ہے قرآن نے بیان کیا ہے وہ قرآن کی وجہ سے متواتر ہیں ورنہ اپنی حیثیت میں ان میں کوئی تواتر نہیں۔ اگر کوئی اس بات کا مدعی ہے تو نزول قرآن کے قبل کے زمانے کا تواتر ثابت کرنا اس کی علمی ذمہ داری ہے جب کہ اس زمانے کے حنفاء کی روایات بھی سامنے ہیں اور غار حرا میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عبادت بھی منقول ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سنت ابراہیمی کا تواتر تو درکنار علم صحیح تک موجود نہ تھا۔

اس لئے تواتر کا نام لے کر حدیث سے فرار اختیار کرنے والے اگر سنت ابراہیمی کو مأخذ دین قرار دیں تو اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ کھلا تضاد اور دین کے بنیادی مصدر سے روگردانی کا حیلہ ہے۔

حاصل بحث:

دین اسلام کے اعتقادات وعبادات تواتر سے منقول ہیں اور امت صدیوں کے تواتر کے ساتھ صحابہؓ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ سے منسلک ہے۔ امت محمدیہ میں تواتر اپنی جمیع شرائط اور صور کے ساتھ متحقق ہے اور یہ قابل اعتماد ترین ذریعہ علم ہے جو اصول دین کے لئے مطلوب ہے۔ فروعاتِ دین میں تواتر کا مطالبہ درست نہیں بلکہ خبر واحد مفید علم ہوتی ہے۔ اس لیے تواتر اگر چہ مطلوب ہے اور مستحسن ہے لیکن ہر ہر جزوِ دین پر عمل کے لیے تواتر کا مطالبہ بھی خلاف عقل ونقل ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ابن منظور، لسان العرب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۷۵/۵

۲۔ ایضاً

۳۔ النبراس فی شرح العقائد النسفیہ، سعیدیہ کتب خانہ، پارہوتی، مردان، ص ۱۷

۴۔ علی بن محمد آمدی (م-۶۳۱ھ)، الاحکام، دار الکتاب العربی بیروت، ۲۳/۲

۵۔ ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن (م-۶۴۲ھ)، مقدمۃ ابن الصلاح فی علوم الحدیث، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص ۱۳۲

۶۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی (م-۹۱۱ھ)، تدریب الراوی، مکتبۃ الریاض، ۱۷۶/۲

۷۔ شرح العقائد النسفیہ مع النبراس، ص ۲۷

۸۔ علی بن احمد بن حجر العسقلانی (م-۸۵۲ھ)، فتح الباری، دار المعرفۃ، بیروت، ۲۰۳/۱

۹۔ زرکشی، علامہ، البرھان، ۳۷/۱؛ تدریب ۱۷۷/۲؛ ارشاد الفحول، ۹۱/۱

۱۰۔ یحییٰ بن شرف (م-۶۷۶ھ)، شرح النووی علی صحیح المسلم، دار احیاء التراث بیروت، ۱۳۱/۱

۱۱۔ آمدی، الاحکام، ۲۳/۲

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ابن حجر عسقلانی، نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص ۲۲

۱۴۔ محمد بن علی الشوکانی (م-۱۲۵۵ھ)، ارشاد الفحول، دار الفکر بیروت، ص

۱۵۔ الاحکام، ۳۷/۲

۱۶۔ شرح النووی علی صحیح مسلم، ۱۳۱/۱

۱۷۔ سلیمان بن عمر بن محمد، حاشیۃ البجیرمی، المکتبۃ الاسلامیہ ترکی، ۳۸۶/۴

۱۸۔ الکاسانی، علاؤ الدین، الحنفی (م ۵۸۷ھ)، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتاب العربی، بیروت، ۳۳۱/۷

۱۹۔ تدریب الراوی، ۱۸۰/۲

۲۰۔ انور شاہ کشمیری، علامہ (م-۱۳۵۲ھ)، فیض الباری تقریر بخاری، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، ۷/۱

۲۱۔ شبیر احمد عثمانی، علامہ، فتح الملہم شرح صحیح مسلم، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، ص ۵، ۶

۲۲۔ شرح العقائد النسفیہ مع النبراس، ص ۲۷؛ شرح النووی، ۱۳۱/۱

۲۳۔ النبراس، ص ۷۵

۲۴۔ احمد بن محمد بن اسحٰق الشاشی (م-۳۴۴)، اصول الشاشی، دار الکتاب العربی، بیروت، ص ۲۷۲

۲۵۔ اصول الشاشی، ص ۲۷۲

۲۶۔ شرح العقیدۃ الطحاویہ، المکتب الاسلامی بیروت، ص ۳۹۹

۲۷۔ شرح نخبہ، ص ۲۵

۲۸۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۱۳۶

۲۹۔ محمد بن محمد الذھبی، سیر اعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۷۱/۱۰

۳۰۔ بدر عالم میرٹھی، مولانا، مستفاد من مقدمۃ ترجمان السنۃ، ادارہ اسلامیات لاہور۔